قسط نمبر ۱۷

# ہندو تہذیب اور مسلمان

از جناب ڈاکٹر محمد عمر صاحب استاد تاریخ جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی

**رخصتی کے وقت رنگ پاشی** نچلے طبقہ کے مسلمانوں میں آج بھی رخصتی کے وقت رنگ کھیلنے کا عام رواج پایا جاتا ہے۔ اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں یہ رسم عام تھی۔

"رنگ کھیلنے کا شادی کے دیکھا یہ عجب طور"

معلوم ہوا سب جو براتی ہیں سے کئے غور — رنگ کھیلنے کی جا انھیں میدان تھا رن کا[1]

**جہیز[2]** جہیز دولہن والوں کی حیثیت پر موقوف تھا۔ بعض لوگ ایک ہاتھی یا دو ہاتھی معہ نقرئی ہودج کے اور چار یا پانچ گھوڑے مع سنہری و روپہلی زین اور اسباب کے اور چند اونٹ جن پر عمدہ لباس اور برتن اور آفتابے مٹکے تانبے کے برتن اور چاندی کی تھلیاں اور عمدہ سامان سے بھرے ہوئے صندوق اور سونے یا چاندی کا چھپر کھٹ بھی جہیز میں دیتے تھے۔ یہ سب سامان دولہا کے گھوڑے اور دولہن کی پالکی سے آگے آگے روانہ کیا جاتا تھا۔[3]

---

۱؎ کلیات سودا جلد دوم ص ۱۴۴ نیز ملاحظہ ہو Observations etc. I, P 388

۲؎ حالانکہ ہندوؤں میں زوجین کے درمیان جہیز کا ذکر نہیں ہوتا تھا بلکہ حوصلے کے مطابق عورت کے ساتھ سلوک کیا جاتا اور جو کچھ اسے دینا ہوتا تھا، اسی وقت دیدیا جاتا تھا جس کو واپس لینا جائز نہیں سمجھا جاتا تھا۔ کتاب الہند (اردو ترجمہ) جلد دوم ص ۳۴۳۔ یہ رسم ہندو اور مسلمان دونوں میں جاری تھی۔ مرزا قتیل کا بیان ہے یہ رسم ہندوستان کے تمام باشندوں میں جاری ہے، کیا ہندو اور کیا مسلمان۔ اپنی حیثیت کے مطابق داماد کو جہیز دینا۔ ہفت تماشا ص ۱۵۰۔

۳؎ ملاحظہ فرمائیے صفحہ ۲۰۴ پر

نگر کفنوہ فرقہ کے مسلمان (اس فرقے کے بارے میں ہم بعد میں تفصیلی گفتگو کریںگے) جہیز نہیں دیتے تھے اور عروس کے گھر ساچق بھی نہیں لاتے تھے اور نکاح میں باشب عروسی کو یا عماہندی کے موقع پر شربت پلانے کے بعد براتیوں سے نیوتہ یا نیگ بھی نہیں لیتے تھے۔ کیوں کہ یہ لوگ فرط غیرت سے ان کاموں کو مکروہ سمجھتے تھے۔ شادی کے بعد لاکھ دو لاکھ جو کچھ بھی ان کو میسر ہوتا تھا۔ نقد اور جنس کی صورت میں داماد کو پہونچا دیتے تھے لیکن داماد کے ساتھ جہیز نہیں بھیجتے تھے تاکہ دکاندار راہ گیر اور دوسرے تماشہ بیں گھروں کی چھتوں کے اوپر سے اس مال کو اوپر سے دیکھیں، اس بات کو یہ لوگ اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ اور اسی طرح شربت پلانے کے بعد روپے اس وجہ سے نہیں لیتے تھے کہ بعض غریب اور نادار حاضرین شرمندہ ہوں گے یا بعض لوگ قرض لے کر دیں گے اور انھیں زیر بار ہونا پڑیگا۔ وہ لوگ حالانکہ ان رسموں کو مذموم سمجھتے تھے۔ مگر دوسروں کی شادی میں ان رسموں پر روپیہ بے دریغ صرف کرتے تھے۔ [1]

**واپسی برات** جب برات واپس دولہا کے گھر پہونچتی تھی تو خوشی کے شادیانے بجتے تھے اور ڈومنیاں پہلے ہی پہنچ کر عشرے گانے شروع کر دیتی تھیں۔ یہ گانے خاص شادی کے موقع کے گیت ہوتے ہیں۔ اس غل و شور میں دولہن پالکی سے اتاری جاتی تھی۔ بعض خاندانوں میں خود دولہا ہی اسے گود میں لے کر اتارتا تھا اور بعض گھرانوں میں دولہا کی ماں بہنیں آکے اتارتی تھیں[الف]۔ اندر

---

بقیہ حاشیہ صہ ۲۰۳ [3] ـــــ ہفت تماشا ص ۱۵ا جہیز کے سامان کی فہرست ملاحظہ ہو۔ رسوم دہلی ص ۱۲۶-۱۳۹

گذشتہ لکھنو ص ۲۵۹-۲۶۰ Tribes & Castes, I, P. 815, Observations etc P. 198-199-206

حاشیہ صفحہ ہذا [1] ہفت تماشا مرزا قتیل صہ ۱۵۰-۱۵۱

[2] برائے تفصیل ملاحظہ ہو Observation etc PP 106-7

الف جب دولہن کی پالکی نئے گھر کے دروازے پر پہنچتی تھی تو دولہا اور دولہن کے دامن دوبارہ باندھ دیئے جاتے تھے دولہا کی بہن دروازہ روک کر کھڑی ہوتی تھی اور جبتک اسے نیگ نہیں دے دیا جاتا تھا اس وقت تک انھیں اندر نہیں جانے

باقی حاشیہ صہ ۲۰۵ پر

لیجا کر اسے بٹھایا جاتا تھا اور دولہا اس کے دامن پر نماز شکرانہ پڑھتا تھا۔ دولہن کے پاؤں دھلا کر پانی مکان کے چاروں کونوں میں ڈال دیا جاتا تھا[۱]۔

رونمائی | یہ رسم اب بھی ہوتی ہے، اس موقع پر تمام عورتیں اور عزیز مرد روپیہ یا زیور اور اس زمانے کے تحفے تحائف دے کر دولہن کا منھ دیکھتے تھے۔

ولیمہ | ولیمہ کی شرعی حیثیت ہے مگر اس موقع پر کھلانے پلانے کے جو طریقے اختیار کئے جاتے تھے وہ سب کے سب ہندوانہ تھے اور دیہاتوں اور نچلے طبقے کے مسلمانوں میں اب بھی یہ طریقے رائج ہیں۔ مثلاً عام طور پر مہمانوں کو زمین پر بٹھایا جاتا ہے اور مٹی کے برتنوں میں کھانا کھلایا جاتا ہے ایک مرتبہ استعمال کے بعد وہ برتن پھینک دئے جاتے ہیں۔ یہی طریقہ ہندوؤں کا ہے کہ مہمانوں کو پتروں میں کھلاتے ہیں اور ایک پتّل دوبارہ استعمال نہیں کیا جاتا۔ معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ بیس پچیس[۲۵] سال پہلے تک شاہ تراب علی قلندر کاکوروی؟۔ جو قلندریہ سلسلہ کے ایک بزرگ ہیں، کے ہاں یہ رواج تھا کہ شادی کے موقع پر مٹی کے ایک بڑے طباق میں، جو تھال نما ہوتا تھا، اور سکوروں میں سالن نکال کر اس طباق میں ہر شخص کے لئے علیحدہ علیحدہ کھانا چنا جاتا تھا۔ ایک مرتبہ کھانا کھلا کر اس طباق کو پھینک دیا جاتا تھا۔ یہ طریقہ اودھ کے دوسرے قصبوں میں بھی ہیں بھی پایا جاتا ہے۔

چوتھی | شادی کی رسموں میں چوتھی کی رسم آخری رسم سمجھی جاتی تھی۔ جب شادی کے چار دن گذر جاتے تھے تو دولہن کے گھر والے اسے واپس لینے آتے تھے۔ اس موقع پر مہمانوں کی خاطر

---

بقیہ حاشیہ صفحہ

دیتی تھی۔ اسکے بعد دو ایک اور رسمیں عمل میں آتی تھیں۔ اس کے بعد "سات سہاگ کا کونڈا" رسم ادا کی جاتی تھی اور اس کے مطابق سات عورتیں جن کے شوہر حیات ہوتے تھے چاول پکاتی تھیں جس کو وہ اور دولہن کھاتی تھی برائے تفصیل ملاحظہ ہو۔ Tribes and Castes PP 815

حاشیہ صفحہ ہذا [۱] گذشتہ لکھنؤ صفحہ ۲۶۱ و صفحہ ۲۶۲

[۲] ایضاً صفحہ ۲۶۲ Tribes Castes, I, PP 831-32

تواضع ہوتی تھی، اور دونوں خاندانوں کی عورتیں بھی جمع ہوتی تھیں، اور فرطِ خوشی میں ایک دوسرے پر رنگین پانی چھڑکتی تھیں اور کپڑے رنگ دیتی تھیں۔ اس کے بعد پھولوں کے زیور مع چند ٹوکریوں کے جس میں ہری ترکاریاں مثلاً بیگن۔ شلجم اور دوسری ایسی ہی ترکاریاں اور پھل پھلار یا فصلی میوے مثلاً خربوزے ہوتے تھے، اور تربوز وغیرہ لے جاکر دولہا دلہن کو پہناتے تھے اور فریق ثانی کے زن و مرد متفق ہوکر یہی پھل اور ترکاریاں داماد اور دلہن کے اور ان کے قبیلے کی عورتوں کے ........ پھینک کر مارتے تھے اسی طرح دلہن والیاں بھی کرتی تھیں، دولھا بھی خوب زور سے پھل اور ترکاریاں ان پر پھینکتا تھا۔ یہ رسم چونکہ حرم سرا کی عورتوں میں ادا ہوتی تھی لہٰذا سوائے بچوں کے اور دولہن کے چھوٹے بھائیوں کے اور کوئی مرد وہاں بار نہیں پاسکتا تھا۔ ان ترکاریوں اور پھلوں کے علاوہ چوب گل یا باریک اور منقش زردوزی کا کام کئے ہوئے سیاہ یا سرخ لکڑی کے گولے یا زردوزی سے کڑھی ہوئی گیندیں بھی اس جنگ میں استعمال ہوتی تھیں۔ اس جنگی کھیل میں بعض مرتبہ چوٹیں بھی لگ جاتی تھیں اور یہاں تک کہ پٹھانوں میں بینائی تک کھو بیٹھتے تھے۔ [۱]

شادی کے بعد ابتدائی زمانے میں دولہن بہت دنوں تک اپنی سسرال میں نہیں رہتی تھی بلکہ کبھی سسرال میں اور کبھی میکے میں رہتی تھی۔ [۲]

---

[۱] ہفت تماشا ص ۱۵۱-۱۵۲، نیز ملاحظہ ہو۔ مثنویاتِ میر حسن دہلوی ص ۱۲۸، کلیات سودا۔ جلد دوم ۱۴۴، ۱۶۰، ۱۹۲، ۲۲۰، ۳۶۲، ۳۶۳ مسائلہ ص ۱۵ الف، سیر المتاخرین (فارسی) ص ۵۵۲ گذشتہ لکھنؤ ص ۳۶۲ - ۳۶۲ - رسوم دہلی ص ۱۳۵ - ۱۳۷ - پنجاب میں چوتھی کی رسم "لین ہاری" کہلاتی تھی۔

Tribes and Castes, 1, P, 815

[۲] ملفوظِ رزاقی ص ۸۵ - چالے چوتھی کے بعد چار چالے ہوتے تھے۔ پہلا چالا ماں کا، دوسرا خالہ یا پھوپھی کا، تیسرا نانی اور چوتھا دادی کا۔ برائے تفصیل ملاحظہ ہو۔ رسوم دہلی ص ۱۳۷ - ۱۳۸ - گذشتہ لکھنؤ ص ۳۶۳ پنجاب میں کلاوا یا چالا شادی کے ایک۔ یا دو سال بعد عمل میں آتا تھا۔ اس موقع پر شوہر اپنی بیوی کو لے کر سسرال جاتا (حاشیہ باقی)

باقی حاشیہ صفحہ ۲۰۷ پر ملاحظہ کریں

ایک اور رسم ہندو اور مسلمان دونوں میں یکساں طور پر پائی جاتی تھی۔ اکثر عزت دار لوگ خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان جب اس شہر، قصبہ اور دیہات میں وارد ہوتے تھے جہاں ان کے شہر کی یا خود ان کی لڑکی بیاہی ہوتی تھی تو وہ اس شہر کے کسی فرد کے گھر پانی تک نہیں پیتے تھے [۵۱]

شاہ ولی اللہؒ نے شادی بیاہ میں غیر اسلامی رسموں کی مذمت کرتے ہوئے لکھا ہے:

"ہم لوگوں میں یہ ایک بدترین رسم ہے کہ شادی میں بڑے بڑے مہر باندھا کرتے ہیں جبکہ رسول اللہؐ نے اپنے اہل بیت کا ساڑھے بارہ اوقیہ مہر باندھا تھا"[۵۲]

مولانا شاہ محمد اسمٰعیلؒ شہید نے بھی شادی بیاہ میں مروجہ غیر اسلامی رسومات کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے:-

"مہر زیادہ مقرر کرنا، شادیوں میں بے جا خرچ کرنا، شادی سے پہلے برادری کو کھانا دینا، دولہا کا لباس نارنجی یا سرخ یا زری تاش کا ہونا، ناچ رنگ مع باجے کے ہونا، نقارے، روشن چوکی، تاشے ڈھول ہونا، آتشبازی انار، اور ٹٹیاں وغیرہ ہونا، آرائش پھول کھٹولے، مسکیاں وغیرہ ہونا، بہت سی روشنیاں اور مشعلیں وغیرہ ہونا، لڑکی کی طرف سے لڑکے کی طرف والوں کو جوڑے دینا، شادی کی شب میں اس لڑکے کا لڑکی کے گھر میں جانا، پھر وہاں جلوہ اور آرسی مصحف اور ٹوٹے وغیرہ کا ہونا، شادی کے چوتھے دن شوہر کا اس لڑکی کے گھر جانا، اور چوتھی کھیلنا، لڑکی اور لڑکے دونوں کے ہاتھوں میں کنگنا باندھنا اور سہرا باندھنا وغیرہ"[۵۳]

---

بقیہ حاشیہ ص ۲۰۶

تھا اور اگر دولہن کا باپ صاحب حیثیت ہوتا تھا تو دولہا کو زیورات بطور تحفہ دئے جاتے تھے برائے تفصیل ملاحظہ ہو Tribes & Castes, I, P. 815-16

[۵۱] ہفت تماشا۔ ص ۱۲۱ نیز Tribes And Castes, I, P. 900

[۵۲] وصیت نامہ شاہ ولی اللہ (مطبوعہ دہلی) ص ۴۷۔ [۵۳] تقویۃ الایمان (نول کشور ۱۸۸۸ء) ص ۲۴۲

## موت کی رسمیں[1]

جب کسی شخص کی روح کے پرواز کرنے کا وقت قریب آتا تو اس کو چارپائی سے اٹھا کر زمین پر لٹا دیتے تھے[2] وفات کے بعد بُری طرح سے سوگ منایا کرتے تھے۔ شاہ اسمٰعیل شہید نے اس موضوع کو بڑی وضاحت اور تفصیل سے بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ جب کوئی مرجاتا تھا تو لوگ خصوصًا اس کے رشتہ دار چلا چلا کر روتے تھے اور عورتیں سر پیٹتی اور آہ و بکا کرتی تھیں۔ پھر جو عورت ماتم پرسی کو آتی وہ بھی اس کے ساتھ رونے پیٹنے میں شریک ہوجاتی۔ پھر کسی کے ہاں تین دن تک، کسی کے ہاں سات دن تک، کسی کے ہاں چالیس دن تک اور کسی کے ہاں چھ چھ ماہ تک یہی معمول رہتا تھا کہ عورتیں حلقہ بنا کر کھڑی ہوتیں اور ایک عورت اس مرحوم کے اوصاف حمیدہ بیان کرتی جاتی کہ فلاں ایسا تھا اور ایسا تھا تو وہ سب عورتیں اپنے زانوؤں اور اپنے مُنہ پر طمانچے مارتیں اور ہائے ہائے کرتیں اور بعض کے یہاں تو اس قدر ہوتا تھا کہ ہر صبح و شام عورتیں اکٹھا بیٹھ کر چلا کر روتیں۔ پھر کسی کے یہاں چالیس دن تک، کسی کے یہاں چھ ماہ تک، کسی کے یہاں برس روز تک اور کسی کے ہاں دو برس تک یہی بات جاری رہتی تھی[3]۔

---

لہ ہندوؤں کے ہاں موت کے وقت اور بعد کے سوگ اور غم کے لیے ملاحظہ ہو۔ آئین اکبری (اردو ترجمہ) جلد دوم ص ۲۹۳۔ ۲۹۶۔ کھتریوں میں سوگ کے طریقے کا ذکر کرتے ہوئے مرزا قتیل نے لکھا ہے "ایک جوان آدمی کی موت پر حامی کی بیوی اس متوفی کے گھر کی عورتوں یعنی ماں، بہن، چچی، دادی، اور خالہ کے مجمع میں آکر اُن کو ماتم کے لیے کھڑی کرتی ہے اور گریہ واندوگیں آواز میں نوحہ خوانی کرتی ہے تاکہ عورتیں بھی اس کے ساتھ خود وہ الفاظ کہہ کر سر و سینہ پیٹیں۔" ہفت تماشا ص ۱۱ نیز ملاحظہ ہو ص ۱۰۹

ٹہ تقویۃ الایمان ص ۲۵۴۔ ۲۶۲، ہفت تماشا ص ۱۶۹۔ ۱۷۰، رسوم دہلی ص ۱۴۱۔ ۱۵۶

Tribes and Castes, I, PP 875-891

تہ مرثیوں میں بھی ماتم کا یہی طرز اور انداز اختیار کیا گیا ہے۔ (باقی حاشیہ صفحہ ۲۰۹ پر ملاحظہ فرمائیے)

جس عورت کا شوہر مرجاتا تھا، پھر وہ بقیہ زندگی رنگین سرخ کپڑے اور نتھ وغیرہ زیور جو سہاگ کی نشانی ہوتی تھی، نہیں پہنتی تھی[الف] اور خوشبو کا بھی استعمال نہیں کرتی اور اس گھر میں بوریا فرش وغیرہ بچھا کر عورتیں اس پر رہا کرتی تھیں۔ پھر بعضوں کے ہاں چالیس دن تک اور بعضوں کے ہاں چھ ماہ تک اور بعضوں کے ہاں برس روز تک وہ فرش بچھا رہتا اور گویا لوگ اس کو سوگ اور غم کی علامت سمجھتے تھے۔ علاوہ ازیں ان دنوں میں کسی کا نکاح یا ختنہ نہیں کرتے تھے۔ عورت اور مرد مدتوں تک سوگ میں رہا کرتے۔ کوئی سرخ کپڑا نہ پہنتا، سرمہ نہ لگاتا، پان نہ کھاتا، خوشبو نہ لگاتا، عورتیں چوڑیاں نہ پہنتیں، کپڑے نہ سیتیں۔ گھر یا رشتہ داروں میں کسی کے ہاں شادی نہ ہوتی۔ جب کوئی مرجاتا تو اس کے گھر میں کڑاہی نہ چڑھتی، پکوان نہ پکتے، اور دنوں تک گوشت نہ پکتا۔ کوئی چارپائی پر نہ سوتا۔ برس روز تک گھر میں سرکے کا اچار نہ پڑتا۔ بڑیاں اور سویاں نہ بنتیں۔

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۸) ملاحظہ ہو مراثی سودا، مراثی انیس، مراثی دبیر۔ سودا کے ایک مرثیہ کا ایک بند ملاحظہ ہو:

کیسی کری وہ نول بیاہی دکھ سہتی ہے ہے ہے ہے
لوہو کی ندی اس کے نین سے اب بہتی ہے ہے ہے ہے
پیٹتی ہے سر اپنا ہر دم رکھتی ہے ہے ہے ہے
بیوہ ہو کر یاد میں تیری یوں کہتی ہے ہے ہے ہے

کلیات سودا جلد ۲ ص ۱۹۱

اور محرم میں تعزیہ دار اسی طرح ماتم کرتے تھے جس طرح کسی کے ہاں موت کے موقع پر سوگ منایا جاتا تھا برائے تفصیل دیکھئے Observation etc, PP24-27

الف کلیات سودا۔ جلد دوم

بلیا نتھ یہ سنگار سب پل میں دیو گنوائے چادر اوڑھے ملگجی بیٹھی سیس نوائے
ص ۱۹ Observation etc, P 26

مندرجہ بالا رسموں کے علاوہ تیجا، دسواں، چالیسواں، چھ ماہی، برسی اور عید اور شب برات

---

لہ سید احمد دہلوی کا بیان ہے "مثلاً رسم تیجا ہندوؤں میں فاتحہ سوم یا پھول مسلمانوں میں۔ اگرچہ پھول کا لفظ یہاں بھی مشترک ہے کیوں کہ ہندوؤں میں پھول مردوں کی جلی ہوئی ہڈیوں کو کہتے ہیں جو تیسرے روز مرگھٹ سے چن کر گنگا جی لے جانے کے واسطے جمع کرتے ہیں۔ عام مسلمانوں نے اس رعایت کی غرض سے اس روز مردے کی قبر پر ارگجا اور پھولوں کی چادر بھیجنا ایک لازمی امر سمجھ کر فاتحۂ سوم کا نام پھول رکھ لیا۔ ارگجا ٹھیٹ ہندی لفظ بمعنی خوشبو مستعمل ہے۔ مسلمانوں نے برادۂ صندل، مشک، کافور، عنبر، عرق گلاب وغیرہ کو ملاکر ایک مرکب خوشبو کا نام ارگجا رکھ لیا جسے خاص تیجے کے روز ایک پیالہ بھر کر اور اس پیالہ کو ایک پھولوں کی بھری رکابی میں رکھ کر ہر ایک فاتحہ خواں کے سامنے لے جاتے ہیں۔ وہ ایک پھول قل ہو اللہ پڑھ کر اس پیالے کے اندر ڈال دیتا ہے اور پیالہ مردے کی قبر پر بھیج کر مع چادر رکھ دیا جاتا ہے۔ رسوم دہلی ص ۲۷۔ ۲۸

مولانا عبدالحلیم شررؔ نے لکھا ہے:

"سوم اور چہلم کی فاتحوں نے عوام میں عجب شان پیدا کرلی ہے۔ اصلیت تو اسی قدر ہے کہ جہاں تک ہوسکے غریبوں اور محتاجوں کو کھانا کھلایا جائے اور اس کا ثواب مرنے والے کو پہونچا دیا جائے۔ ہندستان میں ہندوؤں میں مردوں کی تیرہویں اور برسی ہوتے دیکھ کر مسلمانوں کا جی چاہا کر ہم بھی اس قسم کے کام ناموری اور دھوم دھام سے کریں۔ اس شوق کے تقاضے نے تیجے، دسویں، بیسویں، چہلم، ... غمی کی تقریبیں پیدا کردیں"۔ برائے تفصیل ملاحظہ ہو۔ گذشتہ لکھنؤ ص ۲۷۰

برائے تیجا کے پھول۔ ملاحظہ ہو۔ کلیات سودا۔ جلد دوم ص ۱۶۵، ۱۸۰، ۲۲۰

اہلیہ میر حسن علی نے لکھا ہے کہ جب کسی مسلمان خاندان میں کسی فرد کا انتقال ہوجاتا تھا تو وہ لوگ چالیس دن تک سوگ مناتے تھے اور داڑھی وغیرہ نہیں بنواتے تھے مگر عام طور پر تیسرے دن سوگ کی مدت ختم ہوجاتی تھی اور لباس سوگ اتار ڈالتے تھے اور ڈاڑھی بنوانے لگتے تھے۔ دوسری رسم یہ تھی کہ متوفی کی یاد میں تیجا، ساتواں اور چالیسواں وغیرہ کو کھانا دیتے تھے (باقی حاشیہ صفحہ ۲۱۱ پر)

کے دنوں میں متوفیوں کے غم کو تازہ کیا جاتا تھا اور ان کے نام کی فاتحہ دلوائی جاتی تھی[1]۔ (باقی)

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۰) یہ کھانا طشتوں میں لگا کر رشتہ داروں اور دوستوں کو بھیجا جاتا تھا۔ ایک اور رسم یہ تھی کہ جب تک جنازہ گھر سے نہیں اُٹھ جاتا تھا اس گھر میں کھانا نہیں پکتا تھا بلکہ رشتہ دار یا دوست انھیں کھانا بھیجتے تھے۔ Observances etc, PP 56-57

حاشیہ صفحہ ہٰذا

[1] تقویۃ الایمان ص ۲۶۳، وصیت نامہ شاہ ولی اللہ ص ۷۴، کلیات سودا جلد دوم ص ۱۹۲
Tribes & Castes PP 875-91


# حیات ذاکر حسین

مولفہ: خورشید مصطفیٰ صاحب رضوی

صدر جمہوریہ ہند جناب ذاکر حسین خاں کی خدمت علم اور ایثار و قربانی سے بھرپور زندگی کی کہانی جس پر پروفیسر رشید احمد صاحب صدیقی نے پیش لفظ تحریر فرمایا اور اس کتاب کو قابل رشک و تحسین قرار دیا ہے۔ یہ کتاب متعدد انگریزی، اردو کی کتابوں، ملکی اور غیر ملکی رسائل و اخبارات کی چھان بین کے بعد قلم بند کی گئی ہے۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی تاریخ کے اہم دور یعنی ذاکر صاحب کے زمانہ کے حالات و واقعات سے مستند ترین حوالوں اور خود ذاکر صاحب سے متعدد ملاقاتوں کی روشنی میں پہلی بار پردہ اٹھایا گیا ہے۔

کتابت، طباعت اور کاغذ بہتر سائز ۲۰×۳۰/۱۶ عمدہ پارچہ کی جلد۔ قیمت آٹھ روپے

ملنے کا پتہ: مکتبہ برہان، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی ۶